eISSN: 2791-0342
pISSN:2791-0334

خالد فتح محمد کے افسانہ ”ہمراز“ کا تنقیدی جائزہ

A Critical Review of Khalid Fateh Muhammad's Fiction "Humraz"

محمد سعد

(لیکچرار،لاہور لیڈز یونیورسٹی،لاہور)

Muhammad Saad

Lecturer, Lahore Leads University, Lahore

Abstract:

Khalid Fateh Mohammad presents all aspects of human life with great skill. Apart from this, He considers the subject of love and love to be natural and openly talks about it, however, in his thought and art, he gives more importance to the backwardness, exploitation, poverty and poverty of the human society, which shows that he is a human being in the society. Khalid Fateh Muhammad has talked the life of the people living in Jhagis (Bedouin). He has studied the lives of these people in depth and his observation reveals the fact that for these people nothing else is important except the desire of the stomach. They only want to quench their hunger for sex and sex. Similarly, the natural passions of men and women have also been openly described and made clear that men naturally enslave women while women are independent. Further, he has also written openly on sexual pleasure and discomfort and he has adopted the position that man can go to any extent to fulfill his sexual desire. This article presented the relation between husband and wife in short story “Humraaz”.

Keywords:

Khalid Fateh Mohammad, human life, backwardness, exploitation, poverty and poverty of the human society, Life of Bedouin, hunger for sex, relation between husband and wife, “Humraaz”.

خالد فتح محمد کا خاندان ماڑی بوچیاں ضلع گورداس پور سے ہجرت کر کے گوجرانوالہ کے نواح میں قلعہ جے سنگھ میں سکونت پذیر ہوئے۔ ان کے داد غلام بھیک خان راجپوت تھے۔ وہ اپنے علاقے کے بڑے جاگیر داروں میں شمار ہوتے تھے۔ عہدِ انگلشیہ میں سنطنتِ برطانیہ کا ولی عہد دلی دربار میں آیا تو اس موقع پر جن لوگوں نے وہاں حاضری دی ان میں چودھری غلام بھیک بھی شامل تھے۔ وہ ایک سادہ مزاج انسان تھے اسی وجہ سے انھیں چودھری غلام بھیک کی بجائے لوگ سردار ملنگ خان کہتے تھے اور اسی نام سے مشہور تھے۔ وہ معاشی طور پر متمول فرد تھے۔

خالد فتح محمد ۱۹۷۰ء میں سیکنڈ لیفٹیننٹ بھرتی ہوئے وہاں سے آپ نے ترقی پا کر میجر کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ اس کے بعد حیدرآباد چلے گئے۔ ۱۹۸۱ء میں کھاریاں آئے اور پھر لاہور چلے گئے اور ۱۹۹۰ء میں واپس گوجرانوالہ آ گئے اور ۱۹۹۳ء میں آپ نے ملازمت کو خیر آباد کہہ دیا۔ دوران فوج ان کو سابقہ مشرقی پاکستان میں بھی رہنے کا موقع ملا جو وقت فوج میں گزرا وہ بہت ہی اچھا تھا اور ہر کام کو بخوبی نبھاتے۔ فوج سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد لکھنے کا آغاز کیا اور آجکل گوجرانوالہ میں ہی گلاسکو پبلک سکول کے انچارج ہیں۔

خالد فتح محمد کی ادبی خدمات:

افسانے

پہلا مجموعہ داغ داغ اجالا کل ۱۰ افسانوی اور ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ایم پبلی کیشنز کے ادارے نے سب سے پہلے فروری ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔ اس مجموعہ کا انتساب خالد فتح محمد نے اپنے دادا اور دادی کے نام منسوب کیا ہے۔ جمع تقسیم خالد فتح محمد کا دوسرا افسانوی مجموعہ ہے۔ ایم پبلیکیشنز ادارے نے ۷ فروری ۲۰۰۴ء کو شائع کیا۔ یہ مجموعہ ۱۲۸ صفات پر مشتمل ہے۔

پانچ منٹ کی زندگی خالد فتح محمد کا یہ تیسرا افسانوی مجموعہ ہے جو گوجرانوالہ کا ادارہ ادراک پبلی کیشنز سے فروری ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا ایک ایسی کہانی ہے۔ آئینے سے باہر چہرہ چوتھا افسانوی مجموعہ جن کو جمہوری پبلیکیشنز نے ۲۰۰۹ میں شائع کیا۔ افسانوی مجموعہ ایک سو نو صفحات پر مشتمل ہے جن میں افسانوں کی تعداد ۱۵ ہے۔ پانچواں افسانوی مجموعہ تانبے کے برتن جو لاہور کے ادارے سانجھ پبلی کیشنز نے ۲۰۱۲ میں شائع کیا۔ جس کے کل صفحات ۱۴۴ ہے۔

ناول

خالد فتح محمد کا پہلا ناول " پری" ہے جو کہ ۱۸۰ صفحات پر مشتمل ہے جسے برائٹ بکس لاہور نے فروری ۲۰۰۶ء میں شائع کیا۔ خالد فتح محمد کا دوسرا ناول خلیج ہے جس کو جمہوری پبلیکیشنز والوں نے فروری ۲۰۰۸ء میں شائع کیا اس کے صفحات ۲۰۲ ہیں۔

ٹبا(ناولٹ)

تیسرا مختصر ناول ٹبا جو کہ ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے اس ناول کو سانجھ پبلیکیشنز نے ۲۰۱۱ء میں شائع کیا۔ "سانپ سے زیادہ سیراب" یہ ناول ۲۱۶ صفحات پر مشتمل ہے جیسے سانجھ پبلیکیشنز والوں نے ۲۰۱۴ء میں شائع کیا۔ "شہر مدفون" یہ ناول سانجھ پبلیکیشنز والوں نے ۲۰۱۶ میں شائع کیا۔

تراجم

پہلا ترجمہ کیا گیا ناول "باپ کا گھر ہے" جس کو جمہوری پبلیکیشنز نے ۲۰۱۰ء میں شائع کیا۔ یہ ناول ۱۴۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ "بیکار کے ماہ و سال" دوسرا ترجمہ کیا گیا ناول ہے جو کہ ۱۸۳ صفحات پر مشتمل ہے جسے جمہوری پبلیکیشنز نے ۲۰۱۱ء میں شائع کیا۔ "جمیلہ" تیسرا ترجمہ کیا گیا ناول ہے۔ ۲۱۶ صفحات پر مشتمل ہے جمہوری پبلیکیشنز نے شائع کیا۔ "بیرک کے ۲۷ قیدی" چوتھا ترجمہ کیا گیا ناول ہے ۱۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ لاہور جمہوری پبلیکیشنز نے شائع کیا۔

ہمراز

ہر ادیب اور ادب اپنے عہد کی سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات سے متاثر ہوتا ہے۔ کوئی بھی ادب خلا میں پیدا نہیں ہوتا وہ اپنا مواد اپنے عہد کی تہذیب اور اپنے ارد گرد کے حالات سے اخذ کرتا ہے۔ اسی طرح سیاسی، تہذیب یا سماجی روح کی عکاسی کے لیے انسان کا احساس ہونا ضروری ہے۔ ایک حساس انسان ہی معاشرے میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو محسوس کر سکتا ہے اور خالد فتح محمد کی حساس طبیعت کا ثمر ہے کہ انھوں نے "دیواروں کے راز" جیسی اعلیٰ معیار کی تخلیق پیش کی ہے۔

انھوں نے اپنی اس تصنیف میں غربت و افلاس اور بھوک سے مجبور پسماندہ طبقے کی عکاسی کی ہے۔ جس میں ان کی اخلاقیات، اور نفسیات کا گہرا مطالعہ کر کے ان کے مسائل کو اجاگر کیا ہے اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ غربت انسان کو اس قدر مجبور اور لاچار کر دیتی ہے کہ اس کے نزدیک اخلاق کا وجود ہونے نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے اور وہ اپنی خود غرضی کے غلام بنے ہوئے ہیں۔

خاص طور پر خالد فتح محمد نے جھگیوں میں رہنے والوں کی زندگی کو موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے ان لوگوں کی زندگیوں کا عمیق مطالعہ کیا ہوا ہے اور ان کے مشاہدے نے قاری پر یہ حقیقت کھولی ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک پیٹ کی خواہش کہ علاوہ اور کوئی بھی چیز اہم نہیں ہے۔ انہیں غرض ہے تو صرف اپنے بیٹ اور جنس کی بھوک مٹانے سے۔ اسی طرح مرد اور عورت کے فطری جذبوں کو بھی کھل کر بیان کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ مرد فطرتاً عورت کی غلامی کرتا ہے جبکہ عورت خود مختار ہوتی ہے۔ اس لیے مرد عورت کے دباؤ میں نظر آتا ہے۔ مزید انھوں نے

جنسی آسودگی اور ناآسودگی پر بھی کھل کر لکھا ہے اور انھوں نے یہ موقف اپنایا ہے کہ انسان جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔ انسان کی یہ حرکت انسانی رشتوں کے استحصال کا باعث بنتی ہے۔

خالد فتح محمد نے ازدواجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بہت اہمیت دی ہے اور اسے معاشرے کا ایک اہم دوست تصور کیا ہے۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ کسی معاشرے کی تکمیل خاندان کے نظام کے بغیر ممکن نہیں یعنی کہ ازدواجی رشتہ معاشرت اور تہذیب کا عکاس ہے اور اس میں پیدا جانے والی نامانوسیت بہت سے زندگیوں کو متاثر کرتی ہے۔ خالد فتح محمد انسانی زندگی کے اس پہلو کو بڑی مہارت سے پیش کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں کو عشق و محبت کے موضوع کو فطری تصور کرتے ہوئے اس پر بھی کھل کر بات کرتے ہیں تاہم وہ اپنے فکر و فن میں زیادہ اہمیت انسانی معاشرے کی پسماندگی، استحصال، افلاس اور غربت کو دیتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ وہ معاشرے میں انسان دوست ماحول کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

قصوں، کہانیاں، اور حکایتوں کی روایت اتنی قدیم جتنی انسانی تہذیب و تمدن، کہانی سننا اور سنانا قدیم زمانے سے انسان کا پسندیدہ مشغلہ رہا ہے۔ گویا قصہ گوئی دنیا کا قدیم ترین فن ہے۔ پرانے زمانے میں قصے کہانیاں بڑے بڑوں کو ازبر ہوتی تھیں۔ جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوئیں۔ انسانی تہذیب سے ہی کہانیوں کے وجود کا احساس بھی ہوتا ہے۔ کہانیوں کی چاشنی اور جاذبیت نے انسان کو بچپن سے اپنا گرویدہ بنایا ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں اس کا وجود ہزاروں سال سے موجود ہے۔ اس حوالے سے پروفیسر احتشام حسین لکھتے ہیں:

> "یقیناً مہابھارت، جاتکا، پنچ تنتر، ہتوپدیشن اور کتھا سرت ساگر کی کہانیوں کو جنم دینے والا یہ دیس تحقیقی ادب کی اس صنف کا سب سے بڑا مرکز ہے۔"(۱)

اردو ادب میں مختصر افسانہ نگاری کی ابتدا بیسویں صدی کے آغاز میں ہوئی۔ جب بھی یلدرم اور پریم چند نے انگریزی ادب سے متاثر ہو کر کہانی لکھنا شروع کیں۔ پریم چند نے کمال کی افسانہ نگاری کی اس لیے انھیں اردو ادب میں افسانہ نگاری کا موجد کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر نکہت ریحانہ لکھتی ہیں:

> "اردو ادب میں پریم چند کو مختصر افسانہ کا بانی مانا جاتا ہے۔ اور حقیقت پسندی کے قائل تھے۔ اس لیے ان کی نظر میں کہانی کی بنیاد کسی تجربہ یا مشاہدہ پر ہونی چاہیے۔ کیونکہ آج کے افسانے میں غیر فطری باتوں کی گنجائش نہیں۔ ان میں ہم زندگی کا عکس دیکھنا چاہتے ہیں۔"(۲)

افسانہ نگاروں نے داستانوی انداز بیان تخیل آفرینی اور لطیف جذبات کی عکاسی سے بھرپور کام لیا۔ انھوں نے مرد اور عورت کے فطری جذبوں کو اپنے معاشرے میں بغاوت کی حد تک آزادی سے بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کے مطابق:

"یہ نیاز رجان تھا اپنے زمانے کی اخلاقی اقدار اور اس کی جکڑ بندیوں کے خلاف ایک رومان پسند کی کھلی بغاوت۔" (۳)

"ہمراز "افسانہ خالد فتح محمد کے افسانوی مجموعہ "دیواروں کے راز" سے لیا گیا ہے۔ جس کا موضوع مرد اور عورت کا آپس میں تعلق اور اس کو نبھانے کے لیے کس طرح ایک دوسرے کے ہمراز بن جاتے ہیں۔ موضوع پر ہی تخلیقی عمل کا تمام تر انصار اور دارومدار ہوتا ہے۔ افسانہ کا موضوع کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ تاہم موضوع حقائق زندگی اور ان کے مسائل سے ضرور تعلق رکھتا ہو۔ انسانی زندگی سے متعلق کوئی بھی واقعہ، تجربہ یا مشاہدہ افسانے کا موضوع ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر فردوس انور قاضی لکھتے ہیں:

"افسانے نگار کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ جس کردار اور موضوع کو اپنے افسانے کی بنیاد بنائے، اس کے تمام پہلو سے واقف ہو، مختلف موقعوں پر، مختلف حالات میں، مختلف کرداروں پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان کی ذہنی کیفیت، جذبات، ماحول، حالات غرض ہر چیز جس کا تعلق افسانے سے ہو۔ اس سے گہری واقفیت ضروری ہے۔" (۴)

یہ موضوع کوئی بھی ہو واقعہ، تجربہ یا مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ اور انسانی زندگی جذبات و احساسات سے صبر اہوتی ہے۔ محبت، غم، خوشی، غصہ، حقارت، نفرت اور انتقام وغیرہ کتنے ہی جذبات ہیں جو انسان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ سیاسی و سماجی، مذہبی، علمی فنی سرگرمیاں غرض زندگی کے کتنے ہی پہلو ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی افسانہ نگار اپنا موضوع بنا سکتا ہے۔ موضوع کا کہانی کے دیگر اجزاء سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ یہ کہانی شکور نامی شخص کے گرد گھومتی ہے۔ جو اپنے گھر کے حالات بدلنے اور غربت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے نکل جاتا ہے۔ شکور ایک شادی شدہ مرد ہے وہ مختلف شہروں میں گھوم کر محنت مزدوری کرتا ہے۔ لیکن اسے گھر کی یاد اس کی بیوی کی یاد اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اصل میں یہ اس کے گھر کے حالات ہوتے ہیں۔ جو اسے زیادہ سے زیادہ پیسے کمانے پر مجبور کرتے ہیں۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ حلال روزی کو چھوڑ کر حرام طریقے سے کمانا شروع کر دیتا ہے۔ وہ چوری کرنا شروع کر دیتا ہے ور راستے میں لوگوں کو لوٹتا ہے۔

ایک دفعہ چوری کے دوران اس سے قتل ہو جاتا ہے اور وہ خوف کے مارے گھر واپس آ جاتا ہے۔ جب وہ گھر میں داخل ہوتا ہے تو اسے دو بچے نظر آتے ہیں جو اس کی بیوی کے ہوتے ہیں۔ اور اس کے نہیں۔ اس کی ماں اس بات پر پردہ ڈالتی ہے لیکن وہ حقیقت کو سمجھ لیتا ہے۔ اور اسے اپنے قتل کا بدلہ اترتے ہوئے محسوس ہوتا ہے۔ اس کی بیوی اسے ان کے باپ کا نام بتانا چاہتی ہے۔ لیکن وہ اسے منع کر دیتا ہے اور اسے راز رکھنے کا کہتا ہے۔ اس طرح دونوں راز رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کا اور اسی وجہ سے اسے اپنے جرم کا پتہ ہوتا ہے اور وہ قتل کا حساب دینے کا سوچتا ہے۔ جس پر اس کی بیوی اسے روک لیتی ہے۔ اور وہ ان بچوں کا اندراج اپنے نام سے کروانے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بچے اسے روکتے ہیں کہ ابا اب تم نہیں جاؤ گے۔ اب اس افسانے کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

فکری موضوعات

گھر چھوڑ کر جانے کا ذکر

کہانی میں سب سے پہلے کر دار کا گھر چھوڑ کے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی پہلو ہے۔ جس شکور نے اپنے گھر کے حالات بدلنے کے لیے غربت سے تنگ آکر گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"وہ گھر کا وہی نقشہ ذہن میں رکھے ہوئے تھا۔ جو چھوڑ کر گیا تھا۔ یا جس سے چھٹکارہ پانے کے لیے اس نے گھر کو ہی خیر باد کہہ دیا تھا۔ آج وہ جب گھر میں داخل ہوا تو کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ وہی صحن اور جھلانی، سکڑی ہوئی سی دالانی اور ایک کمرہ جہاں ماں سوتی تھی۔ گھر کا یہ نقشہ کیسے بدلتا؟ وہ گھر میں ہوتا تو کوئی تبدیلی لاتا!" (۵)

اس پہلو میں غریب اور پست طبقے کے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ غربت سے اس قدر تنگ آچکا تھا۔ کہ وہ گھر ہی چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ گھر کا واحد سہارا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے حالات بدلنے کے لیے گیا تھا۔ لیکن وہ حالات سے بھاگ کر بھی گیا تھا۔

مصنف نے یہاں پر ایک معاشرتی پہلو کو بھی بیان کیا ہے۔ کہ کس طرح تلاش روزگار کے حصول کے لیے مرد اپنی بیویوں کو نظر انداز کر کے چلے جاتے ہیں۔ اصل میں یہ ان کے بس میں نہیں ہوتا کیونکہ غربت کی چکی اس قدر پیس دیتی ہے۔ کہ انھیں بھوک کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح شکور بھی اچھے ماحول اچھے حالات کو پیدا کرنے کی پاداش میں اپنا گھر اور بیوی کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ جس کا گلہ اس سے اس کی بیوی کرتی ہے ملاحظہ ہو:

"تم نے اس طرح جا کر میری زندگی کو کن خانوں میں بانٹ دیا۔ میرا کبھی خیال نہیں آیا؟

وہ اس کے سامنے کھڑی تھی اور کمرے کے گھپ اندھیرے میں اس کا سراپا سوالات کی روشنی سے منور لگ رہا تھا۔" (۶)

شکور جب دس سال کے بعد گھر واپس آتا ہے تو اس کی بیوی اس سے گلہ کرتی ہے۔

بغیر باپ کے بچوں کا ذکر

یہ کہانی کا المیاتی پہلو ہے۔ جس میں بغیر باپ کے بچوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جب شکور دس سال بعد گھر واپس آتا ہے۔ تو گھر میں اسے دو بچے نظر آتے ہیں۔ اور وہ انھیں دیکھ کر برہم ہوتا ہے۔ لیکن اسے سمجھ آجاتی ہے۔ وہ بچے اس کی بیوی کے ہوتے ہیں لیکن اس کے نہیں یہ بات اسے کافی زچ کر دیتی ہے۔ لیکن اس کی ماں اس بات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن وہ حقیقت کو جانتا ہے۔ وہ اپنی ماں سے بچوں کے بارے میں پوچھتا ہے۔ وہ کہتی ہے تمہارے بیٹے ہیں جس پر وہ کہتا ہے کہ "بغیر باپ کے" تو اس کی ماں کہتی ہے جیسے گھاس کا بیج خود ہی اڑ آتا ہے۔

اسی طرح یہ بھی جس پر وہ ماں کو جواب دیتا ہے کہ گھاس کا بیج پہلے سے مٹی میں موجود ہوتا ہے۔یعنی وہ حقیقت سے آشنا ہوتا ہے جسے اس طرح بیان کیا گیا ہے ملاحظہ ہو:

"تم کہنا چاہتی ہوں کہ یہ لڑکے باپ کے بغیر ہی پیدا ہوئے ہیں؟ کھانے کو کچھ ہے تو دے دو"(۷)

یہ کہانی ایک تجسس میں ڈوبا ہوا دلچسپ پہلو ہے۔ جس میں بغیر باپ کے بچوں کا ذکر کیا گیا ہے۔لیکن شکور حقیقت کا اندازہ لگالیتا ہے اور اس کی بیوی اسے سچ بتادیتی ہے۔

محنت اور ایمانداری کا ذکر

مصنف نے محنت اور ایمانداری کے صلے کو بھی ایک سماجی پہلو بنا کر پیش کیا ہے

جیسے ایک غریب آدمی جس نے غربت دیکھی ہو اسے اپنے حالات بدلنے ہوں تو وہ روزگار کے لیے بہت جنونی ہوتا ہے اور اپنے کام کو بہت محنت اور لگن سے کرتا ہے جیسے شکور گھر سے جانے کے بعد محنت کرتا ہے ملاحظہ ہو:

"میں نے لاری اڈے پر مزدوری کی۔ دو دنوں میں میرے پاس اتنے پیسے بن گئے تھے کہ میں سفر کر سکتا۔ پتہ نہیں کیوں میں دینہ چلا گیا۔ میں اوکاڑے بھی جا سکتا تھا۔" وہ ایک خشک اور پھیکی سی ہنسی ہنسا۔ جیسے چھاتی کے کسی بھی مرض میں مبتلا ہو"دینہ میں سبزی اور پھلوں کی منڈی میں مزدوری کرنے لگا وہاں میری ایک شناخت تو بن گئی۔ لیکن تمہارا خیال اسی طرح رہا میں ایک بس میں سوار ہو کر چکوال چلا گیا وہاں بھی میں سبزی منڈی میں کام کرنے لگا۔ میں غریب اور تھوڑا جنونی تھا۔ میرا لہجہ اور عادتیں مقامی لہجے اور عادتوں سے مختلف تھیں۔ لیکن مجھے قبول کیے جانے لگا اور میری محنتی اور امانددار کارندے کے طور پر شناخت ہونا شروع ہو گئی۔ میں چکوال میں بھی تمہارے خیال سے چھٹکارا نا پاسکا تم میرے لیے وبال بن رہی تھیں۔"(۸)

مصنف نے یہاں پر محنت اور ایمان داری کو غربت کے ساتھ جوڑا ہے کہ جس نے بھوک دیکھی ہو پیسے کمانے کے لیے جنونی ہوتا ہے۔ اور محنت انسان کو ایماندار بنادیتی ہے۔کیونکہ یہ فطرت انسانی ہے۔کہ وہ خون پسینہ بہاکے آپنے رزق میں حرام شامل نہیں کرنا چاہتا۔

حلال اور حرام کا تصور

اگر کہانی کے فلسفے کو مد نظر رکھا جائے تو دیکھا جاتا ہے کہ مصنف نے حلال اور حرام کے فلسفے کا ذکر کیا ہے۔ جس میں شکور اور اس کی بیوی دونوں ملوث ہیں۔ شکور جب گھر سے چلا جاتا ہے۔ تو مختلف شہروں میں محنت مزدوری کرتا ہے لیکن اس پر اس کی بیوی کا خیال غالب رہتا ہے۔ کیونکہ اب تک وہ ایک باضمیر شخص ہوتا ہے۔ لیکن وہ اس خیال سے پیچھا چھڑانے کے لیے وارداتیں کرنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ لوگوں کو لوٹتا

ہے اور ان سے پیسے چھینتا ہے۔ جب وہ پہلی دفعہ چوری کرتا ہے تو اس کی بیوی اس کو بھولتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن ایک دفعہ چوری کے دوران اس سے قتل ہو جاتا ہے۔ اور وہ خوف میں مبتلا گھر میں واپس آ جاتا ہے۔ جب دس سال کے بعد گھر داخل ہوتا ہے تو وہاں دو بچے کھیلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جو اس کے نہیں ہوتے لیکن اس کی بیوی کے ہوتے ہیں۔ اس کی ماں اسے کہتی ہے کہ یہ ہوائی یعنی بات پر پردہ ڈالتی ہے۔ لیکن اس کی بیوی راز سے پردہ اٹھا دیتی ہے۔ جب وہ اس بات کا ذکر نسرین سے کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

> "ماں کہتی ہے کہ وہ ہوائی ہیں" اس نے نسرین کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ بیوی کی سانسوں میں وارفعت تھی۔
>
> "وہ اس نے فرض کر رکھا ہے۔ ویسے بھی ایک دوسرے سے چمٹے رہنا ہم دونوں کی مجبوری تھی۔ اگر۔۔۔۔۔ خیر۔۔۔۔ وہ میرے جائز بیٹے ہیں۔ جن کو ایک آدمی نے میرے اندر اپنے تخم سے اگایا مجھے پچھتاوا نہیں"
>
> سکور کو لگا کے قتل کا خون بہا ادا ہو گیا۔ وہ چارپائی پر بیٹھے ایک کشتی میں سوار دو اجنبی بن گئے۔"(۹)

یہاں حلال و حرام کے فلسفے کو اس طرح بیان کیا کہ دونوں حرام کے مرتکب ہو چکے تھے۔ اور شکور کو لگا کے یہ سارا قصور میرا ہے۔ اور وہ اپنی بیوی کے سامنے اور زیادہ شرمندہ ہو گیا۔ کیونکہ اس فلسفے کو ضمیر سے جوڑا گیا ہے۔ اور جب وہ حرام طریقے سے کمانا شروع کرتا ہے تو اس کا ضمیر مردہ ہو چکا ہوتا ہے۔

مرد کی نفسیات کا ذکر

جب شکور کی نظروں کے سامنے یہ سب گزر جاتا ہے تو یہاں پر شکور بطور مرد نفسیات اس بات کو راز رکھنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک مرد ہوتا ہے اور اب اپنے کیے پر شرمندہ ہونے کے ساتھ اپنی بیوی کے اس عمل کو راز رکھنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ کیونکہ اب اس کی مردانگی اور اس کی غیرت پر بات آنی ہوتی ہے۔ وہ اس سے پہلے ہی اپنے شریک جرم کو راز بنالیتا ہے۔ تاکہ وہ معاشرے میں بدنام نہ ہو سکے۔ اسی طرح جب نسرین ساری بات سے پردہ ہٹاتی ہے تو اسے اس کے جرم کے بارے میں بھی پوچھتی ہے۔ جس پر وہ بات بدل دیتا ہے۔ جسے افسانہ نگار نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے ملاحظہ ہو:

> "تمہیں اپنے شکار کے بارے میں کچھ علم ہے؟" نسرین کے لہجے میں گستاخی سے ملتا جلتا اعتماد تھا۔ اس سوال پر اچانک شکور کو اپنی ماں کا خیال آیا۔ اس نے ہوائی بیٹوں کی بات کر کے گھر کے ماحول کو ہموار کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن نسرین نے پوری بات کھول کر رکھ دی۔ شکور نے نسرین کے سوال کا جواب دینے کا سوچا ہی کہ وہ بول پڑی، "اگر تم چاہو تو میں اپنے بیٹوں کے باپ کا نام بتا سکتی ہوں"
>
> "نہیں یہ تمہارا راز ہے"

نسرین کھکھلا کر ہنس پڑی

"ہم ایک دوسرے کے رازوں کی حفاظت کریں گے"(۱۰)

یہاں پر ایسے مرد کی نفسیات کو بیان کیا گیا ہے۔ جو اپنی بیوی کے گستاخانہ اور بے باک رویے سے ڈر کر اپنا گھر بچانے کے لیے اپنی بیوی اور اپنے کیے گئے جرم کو راز رکھنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور اسی طرح ان دونوں لڑکوں کو بھی اپنا نام دینے کو تیار ہو جاتا ہے جن کا وہ باپ نہیں ہوتا اور اس کی بیوی ان کی ماں ہوتی ہے۔

فنی موضوعات

پلاٹ

کہانی کا پلاٹ بہت منظم اور مربوط ہے۔ مکمل کہانی دس سالوں کے دورانیے پر محیط ہے لیکن مصنف نے بڑی مہارت کے ساتھ کہانی کو مختصر وقت میں ترتیب دیا ہے۔ جس سے یہ تاثر آتا ہے کہ کہانی کو کچھ ہی منٹوں میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ شکور دس سال کے بعد گھر واپس آتا ہے اور گھر کا وہی ماحول ہوتا ہے جو دس سال پہلے تھا۔ اور ان دس سالوں میں ایک تبدیلی آئی تھی وہ اس کی بیوی کے بچے ہیں جن کا وہ باپ نہیں۔ پھر وہ اپنی کہانی بیان کرتا ہے کہ وہ پہلے ایک محنت کش اور ایماندار مزدور تھا لیکن اس کی بیوی کا خیال اس پر غالب رہتا پھر وہ وارداتیں کرنے لگا اور اس کی بیوی اس کے ذہن سے غائب ہو کر اسے ڈرانے لگی خوابوں میں۔ پھر جب وہ قتل کرنے کے بعد گھر پہنچتا ہے تو اس کی بیوی کی کہانی اس کے سامنے تھی جو اس کے ساتھ جڑی ہوئی تھی اور جس کا وہ قصوروار تھا۔ وہ دس سال کے لیے اپنی بیوی کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اور دس سال کے بعد وہ دو بچوں کی ماں تھی اب دونوں جرم میں شریک تھے اور اس طرح دونوں ایک دوسرے کے راز رکھنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔

کردار نگاری

اگر افسانے کے کردار حقیقی ہوں گے تو پڑھنے والا اس میں دلچسپی لے گا۔ افسانہ نگار کو چاہیے کہ وہ اپنے کرداروں کو اپنے اشاروں پر نہ بلائے بلکہ انھیں آزادنہ عمل کے لیے چھوڑ دے تاکہ وہ حقیقی انسانوں کے طور پر اپنی شعری صلاحیتوں کو بروکار لائیں۔ اگر کوئی مثالی کردار دکھانا مقصود ہو تو اس میں بھی مافوق الفطرت خوبیاں بیان کی جائیں۔ کیونکہ مثالی کردار انسان ہی ہوتے ہیں۔ انھیں جان بوجھ کر فرشتہ یا شیطان بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔ افسانہ نگاری کی باقاعدہ تحریک سے موضوع، کہانی کا مواد کی ترتیب اور پلاٹ کو جتنا ضروری اور اہم بتایا ہے۔ اس سے انکار ممکن ہی نہیں لیکن کردار نگاری کی اپنی اہمیت ہے۔ اور کردار نگاری ایک فنکارانہ صلاحیت ہے۔ فن کی یہ حقیقت پر ہوتی ہے۔ اور یہ حقیقت دنیاوی اور انسانی زندگی سے متعلق ہوتی ہے۔ اس لیے کہانی یا فسانہ کو پلاٹ کی منظم اور مربوط شکل دینے کے لیے ہمیں کرداروں کی ضرورت

ہوتی ہے۔ سید وقار عظیم رقم طراز ہیں:

"افسانے یا پلاٹ اس لیے دلچسپ اور دلکش ہوتا ہے کے اس کا سرچشمہ انسانی زندگی ہے۔ اور افسانہ نگار کے کمال فن کا مظاہرہ بیسیوں جگہ ہوتا ہے۔ وہاں سیرت کشی یا کرداروں کو افسانے کے ذریعے منظر عام پر لانے کا کام بھی اس کی فنی آزمائش کا ایک مرحلہ ہے۔"(۱۱)

کردار نگاری کی اگر بات کی جائے تو مصنف نے نفسیاتی کرداروں کو کہانی کا حصہ بنایا ہے جس میں سب سے پہلے کہانی کا مرکزی کردار شکور اس کے بعد اس کی بیوی، شکور کی ماں اور بغیر باپ کے دو بچے شامل ہیں، اس کے علاوہ کہانی کے کچھ ضمنی کردار بھی ہیں۔ جن میں ان بچوں کا نام معلوم باپ بھی ہے۔ جو اپنی جسمانی لذت اٹھانے کے لیے آج گل کے گانے بے کار پے عطیہ دے کر غلط راہ اختیار کرتا ہے۔ اس کے بعد شکور جس سے نقدی لوٹتا ہے اور جب شکور اسے نقدی واپس کرتا ہے تو وہ لینے سے انکار کر دیتا ہے۔ کیوں کہ وہ تجربہ کرنا چاہتا ہے یہ بھی کہانی کا ایک نفسیاتی کردار ہے۔ اس طرح سبزی منڈی کے لوگ بھی شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ مرکزی کرداروں کا تجزیہ کرتے ہیں۔

شکور کا کردار

شکور کہانی کا مرکزی کردار ہے۔ جس کے گرد پوری کہانی گھومتی ہے اور یہ کہانی کا نفسیاتی کردار ہے۔ شکور غربت میں پیدا ہوا اور حالات کے گرد تلے دبا ہوا ایک پست طبقے کا فرد ہے۔ جو اپنے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے گھر سے نکل جاتا ہے کہ باہر جا کر محنت مزدوری کرے اور اپنے حالات بدلے لیکن اسے ہر وقت اپنے گھر کی اور اپنی بیوی کی فکر لاحق رہتی ہے۔ کیوں کہ وہ اتنے پیسے نہیں کما رہا ہوتا۔ اس کے بعد وہ وارداتیں کرنے لگتا ہے اور اس سے قتل ہو جاتا ہے۔ پولیس تو اس تک نہیں پہنچتی لیکن وہ خود سے خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ اور گھر واپس لوٹ آتا ہے۔ جہاں پر اس کے سامنے گھر کے وہی حالات ہوتے ہیں اور دو بچے جن کا وہ باپ نہیں ہوتا۔ اور اس طرح وہ اپنی بیوی کے گستاخانہ اور بے باک رویے سے اکتا کر دونوں باتوں کو راز رکھنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ ایک ایسا مرد ہے جو آپ نے حالات و واقعات کا ذمہ دار خود ہوتا ہے۔ اور وہ اب ڈر چکا ہوتا ہے اور اب غربت کے ساتھ ساتھ معاشرتی دباؤ بھی اس پر ہوتا ہے۔

نسرین کا کردار

کہانی میں نسرین شکور کی بیوی ہے اور نسرین کا کردار ایک غلط عورت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وہ جو اپنے خاوند کی غیر موجودگی میں تنہائی کا شکار ہو جاتی ہے اور اپنی جسمانی لذت کو پورا کرنے کے لیے کسی غیر مرد کا سہارا لیتی ہے۔ اور دو بچوں کی ماں بھی ہے جو کہ اس کے اصل شوہر کے نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے آشنا کے ہیں۔ نسرین کے کردار کو کہانی میں معاشرتی برائی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک

مظلوم اور تنہا عورت کا استعارہ بھی ہے۔ جس کا شوہر اسے چھوڑ کر خود دس سالوں کے لیے گھر سے چلا جاتا ہے۔ اور یہ سب شوہر سے دوری کی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ برائی کا شکار ہوتی ہے۔

شکور کی ماں کا کردار

شکور کی ماں کا کردار کہانی میں مشفقانہ بنایا گیا ہے اپنے بیٹے کا گھر بچانے کے لیے اور گھر کے ماحول کو بہتر رکھنے کے لیے اس کی بیوی کی برائی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کے ساتھ عورت ہونے کے ناطے ایک عورت کی نفسیات سے بھی آگاہ۔ جس وجہ سے کردار کہانی میں موزونیت رکھے ہوئے ہے۔

منظر نگاری

منظر نگاری کی بات کریں تو مصنف نے کہانی کو منظر نگاری سے بھی مختلف رنگ دیے ہیں۔ کہانی ایک المیاتی استعارہ ہے۔۔ اس لیے کہانی کا ہر منظر المناکی بیان کرتا ہے۔ جس میں مصنف کی مہارت کار فرما ہے۔ آیئے ہم کچھ مناظر کا تجزیہ کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

> "شکور جب دس سالوں کے بعد گھر میں داخل ہوا تو وہی منظر تھا؛ نسرین دروازے کی طرف پیچھا کیے چولہے کے پاس بیٹھی تھی۔ اور ماں دلانی کے دروازے کے سامنے پیڑی پر۔"(۱۲)

یہ کہانی کا ابتدائی منظر ہے جو اپنی کہانی خود بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد کا منظر بھی ملاحظہ ہو:

> "آج وہ جب گھر میں داخل ہوا تو کچھ بھی نہیں بدلا تھا؛ وہی صحن اور جھلانی، سکڑی ہوئی سی دالانی اور ایک کمرہ جہاں ماں سوتی تھی۔ گھر کا یہ نقشہ کیسے بدلتا ہے وہ گھر میں ہوتا تو بدلتا۔ جو تبدیلی اس کی آنکھ داخل ہوتے ہی نہیں دیکھ سکی تھی اب ذہن کی گرفت میں آگئی۔ دو ننگ دھڑنگ بچے صحن میں بے مقصد ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے پھر رہے تھے۔ وہ انھیں دیکھ کر کسی قدر برہم سا ہوا لیکن اسے حیرت اس بات سے ہوئی کہ بچے اس کی طرف توجہ دیے بغیر اپنے کھیل میں مصروف رہے اور بھاگتے بچوں کے ہانپنے کی آواز نے صحن کو ان کی موجودگی سے زیادہ بھرا ہوا تھا۔ وہ بچے اسے گھر کے ساتھ اپنے سے زیادہ مانوس لگے۔"(۱۳)

یہ اس کے گھر میں داخل ہونے کے بعد کے مناظر تھے جو اسے تجسس میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اور یہ بہت ہی پر تجسس منظر ہے جس کو مصنف نے تراشا ہے۔ اس کے علاوہ ایک دلکش منظر ملاحظہ ہو:

> "اب صحن مکمل طور پر اندھیرے میں تھا، ساتھ والے گھروں میں جلتے ہوئے قمقموں کی روشنی بھی اس اندھیرے کی چادر کو چیر نہیں سکی تھی۔"(۱۴)

مصنف نے کہانی میں بہت سی جگہوں پر منظر نگاری کی ہے۔ جو کہ افسانہ نگار کی مہارت کا ثبوت ہے۔ کہ اس نے کہانی کے مناظر کو بھی المیاتی نقطہ نظر کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مصنف نے کہانی کو بڑی مہارت سے لکھا ہے۔ اور کہانی میں موجود اجسام کی حرکت کو دلچسپ منظر نگاری میں ڈھالا ہے۔ جس سے کہانی بہت جامع اور مربوط نظر آرہی ہے۔

اسلوب

اسلوب بیان افسانے کا لازمی جزو ہوتا ہے۔ یہ کسی بھی افسانے کا ظاہری رنگ وروپ ہوتا ہے۔ ہر افسانہ نگار کا اپنا اسلوب ہوتا ہے۔ جو اسے دوسرے افسانہ نگاروں سے الگ کرتا ہے۔ یہ دوسرے فنکاروں کے ساتھ ملتا جلتا بھی ہو سکتا ہے۔ اسلوب کی تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ اسلوب تحریر کی ایسی صنف کا نام ہے۔ جو ابلاغ کی بجائے اظہار سے مختص ہے۔ ابلاغ حقائق کی پیشکش کا نام ہے۔ اظہار اس کے مقابلے میں حقائق کی شخصی، ذاتی یا انفرادی تاثر کو پیش کرنے کا نام ہے۔ ابلاغ موضوع کی منطق تک محدود رہتا ہے۔ اور اظہار پوری شخصیت کا احاطہ کرتا ہے۔ اسلوب ادب میں تخلیق پاتا ہے۔ بنیادی احساس کے اس اظہار سے جو لفظ اور زبان کی معنوی اور اشاراتی کیفیت سے قطع نظر زبان کے مخصوص طریق استعمال سے شروع ہوتا ہے۔ اسلوب میں فسانے کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ اسلوب ہی ہے جو افسانہ نگاروں کو انفرادیت بخشتا ہے۔ بقول ممتاز شیریں:

> "فنکار مواد کو اس گروپ سے ہم آہنگ کرکے اسے ایک مخصوص طریقے سے متشکل کرتا ہے۔ افسانے کی تعمیر میں جس طریقہ سے مواد ڈھلتا جاتا ہے۔ وہی تکنیک ہے۔"(۱۵)

اسلوب ذات اور شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے۔ اسلوب ایک ایسا وسیلہ ہے جو موضوع کو فن پارے میں ڈھلتا ہے۔ گویا فنکار اپنے مواد کو سلوپ سے ہم آہنگ کرتے ہوئے فن پارہ تخلیق کرتا ہے۔ خالد فتح محمد نے افسانہ ہمراز کی اسلوب کو بہت سادہ اور رواں رکھا ہے۔ مشکل الفاظ سے پرہیز کیا ہے۔ اور بالکل آسان الفاظ کو استعمال کیا ہے۔ افسانہ کا اسلوب المیاتی طور پر لکھا گیا ہے۔ کہانی میں معاشرے کا المیاتی پہلو بیان کیا گیا ہے۔ اور کہانی میں علامتی انداز اپنایا گیا ہے جس میں بنا باپ کے بچوں کو گھاس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جو خود ہی اگ آتی ہے۔ اور کہیں پر سراپے کی روشنی کو سوالات کی روشنی سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اسی طرح علامتی انداز کے ساتھ ساتھ تشبیہ بھی استعمال کی گئی ہے مختلف جگہوں پر۔

اس کے علاوہ خالد فتح محمد نے المیاتی طور پر کہانی میں مختصر سی منظر نگاری سے کام لیا ہے۔ جو افسانے کو دلچسپ اور خوبصورت بنا دیتا ہے۔ افسانے کا پلاٹ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ مربوط بھی ہے۔ جس میں دس سال کی کہانی کو مصنف نے بڑی آسانی کے ساتھ مختصرا بیان کر دیا ہے۔

زمان و مکاں

زمانی لحاظ سے کہانی میں دس سالوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن کہانی کو مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اور کسی عہد کا خاص طور پر ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف شہروں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اور گاؤں کی زندگی اور کچے مکانوں کا بھی ذکر ہے۔ کہانی میں جس شہروں کا ذکر ہے۔ ان میں مندرجہ ذیل ہیں دینہ، اوکاڑہ، سرگودھا، موناڈپو اور چکوال کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کے علاوہ لاری اڈے اور سبزی منڈی کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس کے ساتھ شکور کے گھر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جسے چھوڑ کر دس سال پہلے چلا گیا تھا۔ جس میں چھوٹا سا صحن اور جبھلانی؛ سکڑی ہوئی سی دالانی اور ایک کمرہ جہاں پر اس کی ماں سوتی تھی۔

خالد فتح محمد کا یہ افسانہ فکری حوالے سے مرد اور عورت کے رشتے حوالے سے بہت سی باتوں کو سامنے لاتا ہے۔ مرد اور عورت زندگی گزارنے کے کن کن حالات سے گزرتے ہیں اور گھریلو رشتوں کو نبھانے کے لیے ایک دوسرے کے ہم راز بن جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ فنی حوالے سے بھی یہ افسانہ اپنا ایک الگ مقام رکھتا ہے۔ زماں و مکاں کے پھیلاؤ کو خوبصورت مہارت سے سمیٹا گیا ہے۔ پلاٹ مضبوط ہے۔ مکالمات موقع محل کے مطابق اور کرداروں کی نفسیات کے عکاس ہیں۔ اسلوب سادہ اور آسان فہم ہے۔ تشبیہات سے بھی کام لیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ افسانہ خالد فتح محمد کا ایک اہم افسانہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ احتشام حسین، بحوالہ: ڈاکٹر احسن فاروقی، کرشن چندر کی افسانہ نگاری، فکشن ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۱۵

۲۔ نکہت ریحانہ، ڈاکٹر، اردو مختصر افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ، کلاسیکل پرنٹرز چارڈی بازار، دہلی، س ن، ص ۴۰

۳۔ حامد بیگ، مرزا، ڈاکٹر افسانے کا منظر نامہ، اورینٹ پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۱۸

۴۔ فردوس انور قاضی، اردو افسانہ نگاری کے رجحانات، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۶۰

۵۔ خالد فتح محمد، دیواروں کے راز، عکس پبلشرز، لاہور، ۲۰۲۲ء، ص ۱۸۹

۶۔ ایضاً، ص ۱۹۱

۷۔ ایضاً، ص ۱۹۱

۸۔ ایضاً، ص ۱۹۲

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۹۴

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۹۴

۱۱۔ وقار عظیم، سید، فنِ افسانہ نگاری، پرنٹنگ پریس لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۱۳۶

۱۲۔ خالد فتح محمد، دیواروں کے راز، ایضاً، ص ۱۸۸

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۸۹

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۹۶

۱۵۔ ممتاز شیریں، معیار، لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۵۷ء، ص ۶۹